"تو کیا تمھارا بیاہ کسی دیوتا سے ہوگا؟ گانوں میں ایسا سُندر سجیلا جوان دوسرا کون ہے؟"

"تو تم چلی جاؤ اس کے ساتھ، سِلیا سے لاکھ درجے اچھی ہو۔"

"میں کیوں چلی جاؤں؟ میں تو ایک کے ساتھ چلی آئی، چاہے وہ اچھا ہو یا بُرا۔"

"تو میں بھی جس کے ساتھ بیاہ ہوگا اس کے ساتھ چلی جاؤں گی، اچھا ہو یا بُرا۔"

"اور جو کسی بوڑھے کے ساتھ بیاہ ہو گیا؟"

سونا ہنسی: "میں اس کے لئے نرم نرم روٹیاں بناؤں گی، اس کی دوائیاں کوٹوں چھانوں گی، اسے ہاتھ پکڑ کر اٹھاؤں گی اور جب مرجائے گا تو منہ ڈھانک کے روؤں گی۔"

"اور جو کسی جوان کے ساتھ ہوا؟"

"تب تمھارا سر، ہاں نہیں تو!"

"اچھا بتاؤ، تمھیں بوڑھا اچھا لگتا ہے کہ جوان؟"

"جو اپنے کو چاہے وہی جوان ہے، جو نہ چاہے وہی بوڑھا ہے۔"

"بھگوان کرے کہ تمھارا بیاہ کسی بوڑھے سے ہوجائے تو دیکھوں کہ تم اسے کیسے چاہتی ہو۔ تب تو مناؤ گی کہ یہ نگوڑا کسی طرح مرجائے تو کسی جوان کو لے کر بیٹھ جاؤں۔"

"مجھے تو اس بوڑھے پر دیا آوے۔"

اس سال ادھر شکر کا ایک مِل کھل گیا تھا اس کے کارندے اور دلال گانوں گانوں گھوم کر کسانوں کی کھڑی اکھ مول لیتے تھے۔ یہ وہی مِل تھا جسے

مسٹر کھنہ نے کھولا تھا۔ ایک دن کارندہ اس گاؤں میں بھی آیا۔ کسانوں نے جو اُ
مول تول کیا تو معلوم ہوا کہ گڑ بنانے میں کوئی بچت نہیں ہے۔ جب گھر میں ایکھ
بھی یہی دام بکتے ہیں، تو پیلنے کی زحمت کیوں اٹھائی جائے۔ سارا گاؤں کھڑ
ایکھ بیچنے کو تیار ہو گیا۔ اگر کچھ کم ہی ملے تو پرواہ نہیں، فوراً تو ملے گا۔ کسی کو
لینا تھا، کسی کو لگان دینا تھا اور کوئی مہاجن سے گلا چھڑانا چاہتا تھا۔ ہوری
کو بیل لینے تھے۔ اب کے ایکھ کی پیداوار اچھی نہ تھی، پس یہ بھی اندیشہ تھا کہ یا
نہ پڑے گا اور جب گڑ کے بھاؤ مل کی چینی ملے گی تو گڑ لے گا ہی کون؟ سب
بیچانے لے لئے۔ ہوری کو کم از کم ایک سو روپئے کی امید تھی۔ اتنے میں ایک معمو
جوڑ آ جائے گی۔ لیکن مہاجنوں کو کیا کرے؟ داتا دین، منگرو، دلاری، جھنگری
سب ہی تو جان کھا رہے ہیں۔ اگر مہاجنوں کو دینے لگے گا تو سو روپئے سود
کو بھی نہ ہوں گے۔ کوئی ایسی حکمت نہ سوجھتی تھی کہ ایکھ کے روپئے آ جائیں ا
اور کسی کو خبر نہ ہو۔ جب گھر آ جائیں گے تب کوئی کیا کرے گا؟ گاڑی تلے گی تو
سارا گاؤں دیکھے گا تول پر جو روپے ملیں گے وہ سب کو معلوم ہو جائیں گے
ممکن ہے منگرو اور ماتادین ہمارے ساتھ ساتھ رہیں۔ ادھر روپئے ملے اور ادھر
اُنہوں نے گردن دبائی

شام کو گردھر نے پوچھا "تمہاری اُوکھ کب تک جائے گی ہوری کاکا؟"
ہوری نے جھانسہ دیا "ابھی تک تو کچھ ٹھیک نہیں ہے بھائی، تم کب تک لیجاؤ گے؟"
گردھر نے بھی جھانسہ دیا "ابھی تو میرا بھی کچھ ٹھیک نہیں ہے کاکا؟"
اور لوگ بھی اسی طرح کی باتیں کرتے تھے، کسی کو کسی پر اعتبار نہ تھا۔ جھنگر
سنگھ کے سبھی قرضدار تھے۔ اور سب یہی چاہتے تھے کہ اسکے ہاتھ روپئے نہ جانے پائیں ورنہ
ورنہ وہ سب کا ہضم کر جائے گا۔ اور جب دوسرے دن اسامی پھر روپیہ مانگنے

جائے گا تو نیا کاغذ، نیا نذرانہ اور نئی تحریر!

دوسرے دن سوبھا آکر بولا: "دادا کوئی ایسی تدبیر کرو کہ جھنگری کو مرچی آ جائے۔ ایسا گرے کہ پھر نہ اُٹھے۔"

ہوری نے مسکرا کر کہا: "کیوں، اس کے بال بچے نہیں ہیں؟"

"اس کے بال بچوں کو دیکھیں کہ اپنے بال بچوں کو؟ وہ تو دو دو عورتوں کو آرام سے رکھتا ہے اور یہاں تو ایک ہی کو روکھی روٹی بھی نہیں ملتی۔ ساری جمع لے گا، ایک پیسہ بھی نہ گھر لانے دے گا۔"

"میری تو حالت اور بھی بُری ہے بھائی۔ اگر روپئے ہاتھ سے نکل گئے تو مٹ جاؤں گا۔ گرہَن کے بنا تو کام نہ چلے گا۔"

"ابھی تو دو تین دن ادکھ دھوتے لگیں گے۔ جوں ہی ساری ادکھ پہنچ جائے، جمعدار سے کہیں کہ بھیّا کچھ لے لے کر ادکھ جھٹ پٹ تول لے، دام پیچھے دینا۔ ادھر جھنگری سے کہہ دیں گے کہ ابھی روپئے نہیں ملے۔"

ہوری نے سوچ کر کہا: "جھنگری ہم سے تم سے کئی گنا چالاک ہے سوبھا جا کر منیم سے ملے گا اور اسی سے روپیہ لے لے گا۔ ہم تم تاکتے ہی رہ جائیں گے جن کھنّا بابو کا مِل ہے ان ہی کے مہاجنی کوٹھی بھی ہے۔ دونوں ایک ہیں۔"

سوبھا نراس ہو کر بولا: "بجلانے ان مہاجنوں سے کبھی پنڈ چھوٹے گا کہ نہیں؟"

ہوری بولا: "اس جنم میں تو کوئی آس نہیں ہے بھائی! ہم راج پاٹ، سکھ چین، نہیں جانتے، ہاں موٹا جھوٹا پہننا اور موٹا جھوٹا کھانا اور مرجاد کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ وہ بھی نہیں ہوتا۔"

سوبھا نے شیطنت سے کہا: "میں تو دادا ان سبوں کو ایک چکمہ (چقمہ) دوں گا۔ جمعدار کو کچھ دے دلا کر اس بات پر راضی کر لوں گا کہ روپئے کے لئے

ہمیں خوب دوڑائیں۔ جھنگری کہاں تک دوڑیں گے؟"

ہوری نے ہنس کر کہا: "یہ سب کچھ نہ ہوگا بھیا۔ کسل اسی میں ہے کہ جھنگری کے ہاتھ پاؤں جوڑو۔ ہم جال میں پھنسے ہوئے ہیں، جتنا ہی پھڑپھڑائیں گے اتنا ہی اور پھنستے جائیں گے۔"

"تم تو دادا، بوڑھوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔ کٹگھرے میں پھنسے بیٹھے رہنا تو مردی نہیں ہے۔ پھندا اور جکڑ جائے تو جکڑ جائے پر گلا چھڑانے کے لئے بل تو لگانا ہی پڑے گا۔ یہی تو ہوگا کہ جھنگری گھر دوار نیلام کرالیں گے، کرالیں نیلام! میں تو چاہتا ہوں کہ ہمیں کوئی روپیہ نہ دے، ہمیں بھوکوں مرنے دے، لاتیں کھانے دے، ایک پیسہ بھی ادھار نہ دے! لیکن پیسہ والے ادھار نہ دیں تو بیاج کہاں سے پاویں؟ ایک ہمارے اوپر دعویٰ کرتا ہے تو دوسرا ہمیں کچھ کم بیاج پر روپیہ دے کر اپنے جال میں پھنسا لیتا ہے۔ میں تو اسی دن روپے لینے جاؤں گا جس دن جھنگری کہیں چلا گیا ہوگا۔"

ہوری کا دل بھی پھر گیا، بولا: "ہاں یہ ٹھیک ہے۔

"اوکھ تلوا دیں گے، پھر روپیہ اپنی گھات دیکھ کر لائیں گے۔"

"بس بس یہی چال چلو۔"

دوسرے دن بڑے سویرے گاؤں کے کئی آدمیوں نے اکھ کاٹنا شروع کیا۔ ہوری بھی اپنے کھیت میں گنڈاسہ لے کر پہنچا۔ ادھر سے سوبھا بھی اس کی مدد کو آگیا۔ پنیا، جھنیا، دھنیا، سونا، سب ہی کھیت میں پہنچ گئیں۔ کوئی اکھ کاٹتا تھا، کوئی چھیلتا تھا، کوئی گٹھے باندھتا تھا۔ مہاجنوں نے جو اکھ کٹتے دیکھا تو پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے۔ ایک طرف سے دلاری دوڑی، دوسری طرف سے منگرو شاہ تیسری طرف سے داتادین اور پٹیشوری اور جھنگری کے پیادے۔ دلاری ہاتھ میں

میں موٹے موٹے چاندی کے ٹکڑے پہنے، کانوں میں سونے کے جھوکے ڈالے، آنکھوں میں کاجل لگائے، بوڑھے شباب کو رنگے اور سنوارے ہوئے آکر بولی "پہلے میرے روپئے دیدو تب ادھ کاٹنے دوں گی۔ میں جتنا ہی کم غم کھانی ہوں اتنا ہی تم سیر (شیر) ہوتے ہو۔ دو سال سے ایک دھیلا بیاج نہیں دیا، پچاس تو میرے بیاج ہی کے ہوتے ہیں۔"

ہوری نے گھگھیا کر کہا: "بھابی ادھ کاٹ لینے دو، اس کے روپئے ملتے ہیں تو جتنا ہو سکے گا تمہیں بھی دوں گا۔ نہ گاؤں چھوڑ کر بھاگا جاتا ہوں۔ نہ اتنی جلدی مرا جاتا ہوں۔ کھیت میں کھڑی کھڑی تو ادھ روپئے نہ دے گی۔"

دُلاری نے اس کے ہاتھ سے گنڈاسا بھین کر کہا: "نیت اتنی کھوٹی ہے تم لوگوں کی، تب ہی تو برکت نہیں ہوتی۔"

آج پانچ سال ہوئے، ہوری نے دلاری سے تیس روپے لئے تھے، تین سال میں تیس کے سو ہو گئے، اس وقت اسٹامپ لکھا گیا۔ دو سال میں اس پر پچاس روپئے سُود چڑھ گیا تھا۔

ہوری بولا: "سیٹھانی، نیت تو کبھی نہیں بگاڑی، اگر بھگوان چاہیں گے تو پائی پائی چکا دوں گا۔ ہاں آج کل تنگ ہو گیا ہوں، جو چاہو کہہ لو۔"

سیٹھانی کو جلتے دیر نہ ہوئی تھی کہ منگرو ساہ آپہنچے۔ سیاہ رنگ۔ توند کمر کے نیچے لٹکتی ہوئی، دو بڑے بڑے دانت سامنے جیسے کاٹ کھانے کو نکلے ہوئے، سر پر ٹوپی، گلے میں چادر، عمر ابھی پچاس سے زیادہ نہیں۔ مگر لاٹھی کے سہارے چلتے تھے۔ گٹھیا کا عارضہ تھا۔ کھانسی بھی آتی تھی۔ لاٹھی ٹیک کر کھڑے ہو گئے اور ہوری کو ڈانٹ بتائی "پہلے ہمارے روپئے دیدو ہوری، تب ادھ کاٹو۔ ہم نے روپئے ادھار دیئے تھے۔ دان نہیں دیا تھا۔ تین تین سال

ہو گئے نہ سود نہ بیاج۔ مگر یہ نہ سمجھنا کہ تم میرے روپئے ہجم (ہضم) کر جاؤ گے۔ میں تمھارے مُردے سے بھی وصول کر لوں گا۔"

سوبھا مسخرا اتھا، بولا: "تب کا ہے کو گھبراتے ہو ساہ جی؟ ان کے مُردے سے وصول کر لینا۔ نہیں ایک دو سال کے آگے پیچھے دونوں ہی سرگ میں پہنچو گے تب وہیں بھگوان کے آگے اپنا حساب چکا لینا۔"

منگرو نے سوبھا کو بہت بُرا بھلا کہا، جھٹ مار، بے ایمان وغیرہ۔ "لینے کی بیر تو دُم ہلاتے ہو اور جب دینے کی باری آتی ہی تو گرّاتے (غرّاتے) ہو۔ گھر بکوا لوں گا، بیل بدھئے نیلام کرا لوں گا۔"

سوبھا نے پھر چھیڑا: "اچھا ایمان سے بتاؤ ساہ جی، کتنے روپئے دئے تھے جس کے اب تین سو ہو گئے ہیں؟"

"جب تم سال کا سال سود نہ دو گے تو آپ ہی بڑھیں گے۔"

"پہلے پہل کتنے روپئے دئے تھے تم نے؟ پچاس ہی تو!"

"کتنے دن ہوئے یہ بھی تو دیکھو۔"

"پانچ چھ سال ہوئے ہوں گے۔"

"دس سال ہو گئے پورے! گیارہواں جا رہا ہے۔"

"پچاس روپئے سے تین سو روپئے لیتے ہو، تمھیں تنک بھی سرم نہیں آتی؟"

"سرم کیسی؟ روپئے دئے ہیں کہ کھیرات (خیرات) مانگتے ہیں۔"

ہوری نے انھیں منت سماجت کر کے رخصت کیا۔ داتا دین نے ہوری کی شرکت میں کھیتی کی تھی۔ بیج دے کر آدھی فصل لے لیں گے۔ اس وقت کچھ چھیڑ چھاڑ کرنا مصلحت کے خلاف تھا۔ جھنگری سنگھ نے مل کے منیجر سے پہلے ہی سب کچھ کہہ سن رکھا تھا۔ ان کے پیادے گاڑیوں پر ادکھ لدوا کر ناؤ پر پہنچا رہے تھے

ندی گاؤں سے نصف میل پر تھی۔ ایک گاڑی دن بھر میں سات آٹھ چکر کر لیتی تھی اور ناؤ ایک کھیوے میں پچاس گاڑیوں کا بوجھ لاد لیتی تھی۔ اس طرح بڑی کفایت ہوتی تھی۔ اس سہولت کا بندوبست کر کے جھنگری سنگھ نے سارے علاقے کو اپنا ممنون بنا لیا تھا۔

تول شروع ہوتے ہی جھنگری نے مل کے پھاٹک پر آسن جما لیا۔ ہر ایک کی اکھ تولاتے تھے، قیمت کا پرزہ لیتے تھے، خزانچی سے روپئے وصول کرتے تھے اور اپنی یافتی کاٹ کر آسامی کو دے دیتے تھے۔ اسامی کتنا ہی روئے چیخے مگر وہ کسی کی نہ سنتے تھے، مالک کا یہی حکم تھا، ان کا کیا بس؟

ہوری کو ایک سو بیس روپئے ملے۔ اس میں سے جھنگری نے اپنے کل روپئے مع سود کاٹ کر کوئی پچیس روپئے ہوری کے حوالے کئے۔

ہوری نے روپئے کی طرف بے غرضانہ انداز سے دیکھ کر کہا: "یہ لیکر میں کیا کروں گا ٹھاکر؟ یہ بھی تم ہی لے لو۔ میرے لئے مجوری بہت ملے گی۔"

جھنگری نے پچیسوں روپئے زمین پر پھینک کر کہا: "لو یا پھینک دو، تمہاری خوشی۔ تمہارے کارن مالک کی گھڑکیاں کھائیں اور ابھی رائے صاحب سر پر سوار ہیں کہ ڈنڈ کے روپئے ادا کرو۔ تمہاری گریبی (غریبی) پر ترس کھا کر اتنے روپئے چھوڑے ہوں، نہیں ایک دھیلا بھی نہ دیتا۔ اگر رائے صاحب نے کڑائی کی تو اپنے گھر سے دینے پڑیں گے۔"

ہوری نے چپکے سے روپئے اٹھا لئے اور باہر نکلا کہ نوکھے رام نے للکارا۔ ہوری نے جا کر پچیسوں روپئے ان کے ہاتھ میں رکھ دیئے اور بلا کچھ کہے فوراً بھاگ گیا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔

سوبھا کو بھی اتنے ہی روپئے ملے تھے وہ باہر نکلا تو پٹیشوری نے آگھیرا۔

سوبھا بدل پڑا، بولا: "میرے پاس روپے نہیں ہیں، تمہیں جو کچھ کرنا ہو کرلو۔"
پٹیشوری نے گرم ہو کر کہا: "اوکھ بیچی ہے کہ نہیں؟"
"ہاں بیچی ہے۔"
"تمہارا یہی تو وعدہ تھا کہ اوکھ بیچ کر روپیہ دوں گا؟"
"ہاں تھا تو۔"
"پھر کیوں نہیں دیتے؟ اور سب لوگوں کو دئے ہیں کہ نہیں؟"
"ہاں دئے ہیں۔"
"تو مجھے کیوں نہیں دیتے؟"
"میرے پاس اب جو کچھ بچا ہے وہ بال بچوں کے لئے ہے۔"
پٹیشوری نے دھمکا کر کہا: "تم تو روپے دو گے سوبھا، اور ہاتھ جوڑ کر اور آج ہی۔ ابھی جتنا چاہو بہک لو۔ ایک رپٹ میں جاؤگے چھ مہینے کو، پورے چھ مہینے کو، نہ ایک دن کم نہ جیادہ (زیادہ) یہ جو روج (روز) جوا کھیلتے ہو، وہ ایک رپٹ میں نکل جائے گا۔ میں جمیندار (زمیندار) یا مہاجن کا نوکر نہیں ہوں، میں سرکار بہادر کا نوکر ہوں، جس کا دنیا بھر میں راج ہے اور جو تمہارے مہاجن جمیندار دونوں کا مالک ہے۔"
پٹیشوری لال آگے بڑھ گئے۔ سوبھا اور ہوری کچھ دور چپ چاپ چلے گویا اس دھمکی نے انھیں بدحواس کر دیا ہو۔ پھر ہوری نے کہا: "سوبھا اس کے روپے دے دو، سمجھ لو کہ اوکھ میں آگ لگ گئی۔ میں نے بھی یہی سوچ کر جی کو سمجھا لیا ہے۔"
سوبھا نے چوٹ کھائے ہوئے لہجے سے کہا: "ہاں دے دوں گا دادا، نہ دوں گا تو جاؤں گا کہاں؟"
سامنے سے گردھر تاڑی پئے ہوئے جھومتا چلا آتا تھا۔ دونوں کو دیکھ کر بولا: "جھنگریا نے سب کا سب لے لیا، ہوری کاکا۔ چبینا کو بھی ایک پیسہ نہ چھوڑا۔

ہتیارا کہیں کا! رو دیا، گڑگڑایا مگر اس پاپی کو دیا نہ آئی۔"

سوبھا نے کہا: "تاڑی تو پئے ہوئے ہو، اس پر کہتے ہو کہ ایک پیسہ چھوڑا"

گردھر نے پیٹ دکھا کر کہا: "سانجھ ہوگئی، جو پانی کی بوند بھی گلے کے نیچے گئی ہو! ایک آنے منہ میں دبالی تھی سو اسی کی تاڑی پی لی۔ سوچا کہ سال بھر پسینہ بہایا ہے تو ایک دن تاڑی تو پی لوں۔ مگر سچ کہتا ہوں کہ نشہ نہیں ہے۔ ایک آنے میں نشہ کیا ہوگا؟ ہاں جھوم رہا ہوں جس میں لوگ سمجھیں کہ بہت پئے ہوئے ہے، بڑا اچھا ہوا کاکا! بیباکی (بیباقی) ہوگئی۔ بیس لیے تھے جس کے ایک سو ساٹھ بھرے، کچھ حد ہے!"

ہوری گھر پہنچا تو روپا پانی لے کر دوڑی، سونا چلم بھر لائی، دھنیا نے چربن اور نمک لا کر رکھ دیا اور سب ہی آس بھری آنکھوں سے اس کی طرف تاکنے لگیں۔ جھنیا بھی چوکھٹ پر آکھڑی ہوئی تھی۔ ہوری اداس بیٹھا تھا، کیسے منہ ہاتھ دھوئے کیسے چربن چبائے؟ ایسا نادم اور ملول تھا گویا خون کر کے آیا ہو۔

دھنیا نے پوچھا: "کتنے کی تول ہوئی؟"

"ایک سو بیس ملے۔ پر سب وہیں لٹ گئے۔ دھیلا بھی نہ بچا۔"

دھنیا سر سے پیر تک جل گئی۔ دل میں ایسا اشتعال ہوا کہ اپنا منہ نوچ ڈالے۔ بولی: "تم جیسا بدھو آدمی بھگوان نے کیوں بنایا؟ کہیں ملتے تو ان سے پوچھتی۔ تمہارے ساتھ ساری جندگی (زندگی) مٹی ہوگئی۔ بھگوان موت بھی نہیں دیتے کہ اس جنجال سے جی چھوٹے۔ اٹھا کر سب روپئے اپنے بہنوئیوں کو دے دئے، اب اور کون آمدنی ہے جس سے گوئیں آوے گی؟ ہل میں کیا مجھے جوتو گے یا آپ جتو گے؟ میں کہتی ہوں کہ تم بڈھے ہوئے، اور تمہیں اتنی اکل (عقل) بھی نہیں آئی کہ گوئیں بھر کے تو روپئے نکال لیتے۔ کوئی تمہارے ہاتھ سے چھین تھوڑی لیتا۔ پوس کی یہ سردی ہے اور کسی کے تن پر لتا نہیں ہے، لے جاؤ سب کو ندی میں

زیادہ! رو رو کر مرنے سے تو ایک دن مر جانا اچھا ہے۔ کب تک پوّال میں گھس کر رات کاٹیں گے؟ اور پوّال میں گھس بھی رہیں تو پوّال کھا کر رہا تو نہ جائے گا۔ تمھاری اچھا ہو گھاس ہی کھاؤ، پر ہم سے گھاس نہ کھائی جائے گی۔"

یہ کہتے کہتے وہ مسکرا پڑی۔ اتنی دیر میں اس کی سمجھ میں یہ بات آنے لگی تھی کہ مہاجن جب سر پہ سوار ہو جائے اور اپنے ہاتھ میں روپئے ہوں اور مہاجن جانتا ہو کہ اس کے پاس روپئے ہیں تو آسامی اپنی جان کیسے بچا سکتا ہے؟

ہوری سر جھکائے اپنی قسمت کو رو رہا تھا۔ دھنیا کا مسکرانا اسے نہ دکھائی دیا بولا: مجوری تو ملے گی۔ مجوری کر کے کھائیں گے۔"

دھنیا نے پوچھا: کہاں ہے اس گاؤں میں مجوری؟ اور کون منہ لے کر مجوری کرو گے؟ مہتو نہیں کہلاتے!

ہوری نے حقے کے کئی کش لگا کر کہا: مجوری کرنا کوئی پاپ نہیں ہے۔ مجور بن جائے تو کسان ہو جاتا ہے اور کسان بگڑ جائے تو مجور ہو جاتا ہے۔ مجوری کرنا بدا نہ ہوتا تو یہ سب بپت کیوں آتی؟ کیوں گائے مرتی؟ کیوں لڑکا نالائق نکل جاتا؟"

دھنیا نے بہو بیٹیوں کی طرف دیکھ کر کہا: تم سب کی سب کیوں گھیرے کھڑی ہو؟ جا کر اپنا کام دیکھو۔ وہ اور ہیں جو باہر سے آتے ہیں تو بال بچوں کے لئے دو چار پیسے کا کچھ لئے آتے ہیں۔ یہاں تو یہ لالچ لگ رہا ہوگا کہ روپیہ تڑا دیں کیسے؟ ایک کم نہ ہو جائے گا! اسی سے ان کی کمائی میں برکت نہیں ہوتی جو کھرچ (خرچ) کرتے ہیں انھیں ملتا ہے۔ جو نہ کھا سکیں، نہ پہن سکیں انھیں روپیہ ملے ہی کیوں؟ دھرتی میں گاڑنے کے لئے؟"

ہوری نے ہنس کر پوچھا: کہاں ہے وہ گڑی ہوئی جمع؟"

"جہاں رکھی ہے، وہیں ہو گی۔ رونا تو یہی ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی پیسے

کے لئے مرتے ہو! چار پیسے کا کچھ لاکر بچوں کے ہاتھ پر رکھ دیتے تو پانی میں پڑتے جھنگری سے تم کہہ دیتے کہ ایک روپیہ مجھے دیدو، نہیں تو میں تمہیں ایک پیسہ نہ دوں گا، جاکر عدالت میں لینا، تو وہ جرور (ضرور) دیتا۔"

ہوری شرمندہ ہوگیا۔ اگر وہ جھلا کر پچیسوں روپئے نوکھے رام کو نہ دے دیتا تو وہ کیا کر لیتے؟ بہت ہوتا تو بقایا پر دو چار آنہ سود لے لیتے۔ مگر اب تو بھول ہوگئی۔

جھنیا نے اندر جاکر سونا سے کہا: "مجھے تو دادا پر بڑی دیا آتی ہے۔ بیچارے دن بھر کے تھکے ماندے گھر آئے تو اماں کوسنے لگیں۔ مہاجن گلا دبائے تھا تو کیا کرتے؟"

"تو بیل کہاں سے آویں گے؟"

"مہاجن اپنے روپئے چاہتا ہے۔ اسے تمہارے گھر کے دکھڑوں سے کیا مطلب؟"

"اماں وہاں ہوتیں تو مہاجن کو مجا (مزہ) چکھا دیتیں۔ انبھا گا رو کر رہ جاتا۔"

جھنیا نے مذاق کیا۔ "تو یہاں روپیوں کی کون کمی ہے؟ تم مہاجن سے تنک ہنس کر بول دو پھر دیکھو کہ سارے روپئے چھوڑ دیتا ہے کہ نہیں۔ سچ کہتی ہوں کہ دادا کا سب دکھ دلدر دور ہو جائے۔"

سونا نے دونوں ہاتھوں سے اس کا منہ دبا کر کہا: "بس چپ ہی رہنا نہیں کہے دیتی ہوں۔ ابھی جاکر اماں سے ماتا دین کی ساری بات کھول دوں تو رونے لگو۔"

جھنیا نے پوچھا: "کیا کہہ دوں گی اماں سے؟ کہنے کی کوئی بات بھی ہو۔ جب وہ کسی بہانے سے گھر میں آجاتے ہیں تو کیا کہہ دوں کہ نکل جاؤ؟ پھر مجھ سے کچھ لے تو نہیں جاتے، کچھ اپنا ہی دے جاتے ہیں۔ سوائے میٹھی میٹھی باتوں کے وہ جھنیا سے کچھ نہیں پا سکتے۔ اور اپنی میٹھی باتوں کو مہنگے داموں بیچنا بھی

مجھے آتا ہے۔ میں ایسی نادان نہیں ہوں کہ کسی کے جھانسے میں آجاؤں۔ ہاں جب جاؤں گی کہ تمھارے بھیّا نے وہاں کسی کو رکھ لیا ہے تب کی نہیں چلاتی۔ تب میرے اوپر کسی کا کوئی بندھن نہ رہے گا۔ ابھی تو مجھے بھروسا ہے کہ وہ میرے ہیں، اور میرے ہی کارن انھیں گلی گلی ٹھوکر کھانا پڑ رہا ہے۔ جینے بولنے کی بات اور ہے پر میں ان سے بھروسا گھات نہ کروں گی۔ جو ایک سے دو کا ہوا وہ کسی کا نہیں رہتا۔"

سوبھا نے آکر ہوری کو پکارا اور پٹیشوری کے روپئے اس کے ہاتھ میں رکھ کر بولا: "بھیّا، تم جاکر یہ روپئے لالہ کو دے دو۔ مجھے اس گھڑی نہ جانے کیسا ہو گیا تھا۔"

ہوری روپئے لے کر اٹھا ہی تھا کہ سنکھ کی آواز کانوں میں آئی۔ گاؤں کے دوسرے سرے پر دھیان سنگھ نامی ایک ٹھاکر رہتے تھے۔ فوج میں نوکر تھے اور کئی دن ہوئے کہ دس سال بعد رخصت لے کر آئے تھے۔ بغداد، عدن، سنگاپور، برما، چاروں طرف گھوم چکے تھے۔ اب بیاہ کرنے کی فکر تھی۔ اسی لئے پوجا پاٹ کرکے برہمنوں کو خوش رکھنا چاہتے تھے۔

ہوری نے کہا: "معلوم ہوتا ہے کہ ساتوں ادھیائے پورے ہو گئے۔ آرتی ہو رہی ہے۔"

سوبھا بولا: "ہاں معلوم تو ہوتا ہے، چلو آرتی لے لیں۔"

ہوری نے متفکرانہ لہجے میں کہا: "تم جاؤ، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" دھیان سنگھ جس دن آئے تھے۔ سب کے گھر سیر سیر بھر مٹھائی بائن میں بھیجی تھی۔ ہوری سے جب کبھی راستے میں مل جاتے تو خیر عافیت پوچھتے۔ ان کی کتھا میں جاکر آرتی میں کچھ نہ دینا ذلت کی بات تھی۔

آرتی کا تھال ان ہی کے ہاتھ میں ہوگا۔ ان کے سامنے پوجا کیسے خالی آرتی لے گا۔ اس سے تو کہیں اچھا ہے کہ وہ کتھا میں جائے ہی نہیں۔ اتنے برسوں میں انھیں کیا یاد آئے گی کہ پوجا نہیں آیا۔ کوئی رجسٹر لئے تو بیٹھا نہیں کہ ن آیا۔ وہ جاکر چارپائی پر لیٹ رہا۔

مگر وہ دل مسوس مسوس کر رہ جاتا تھا۔ اس کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے، تانبے کا ایک پیسہ! آرتی کے پُن اور مہاتم کا اسے بالکل دھیان نہ تھا۔ بات تھی صرف پوجا کی۔ ٹھاکر جی کی آرتی ہو تو وہ صرف اتنی بھگتی کی بھینٹ دے سکتا تھا، مگر رواج کیسے توڑے؟ سب کی نگاہوں میں پوچ کیسے بنے؟

دفعتاً وہ اُٹھ بیٹھا۔ کیوں رواج کی غلامی کرے؟ رواج کے لئے آرتی کا پُن کیوں چھوڑے؟ لوگ ہنسیں گے تو ہنسیں، اسے پروا نہیں ہے۔ بھگوان اسے بُرے کاموں سے بچائے رکھیں، اور وہ کچھ نہیں چاہتا۔

وہ ٹھاکر کے گھر کی طرف چل پڑا۔

(۱۸)

کھنّا اور گوبندی میں نہیں پٹتی۔ کیوں نہیں پٹتی، یہ بتلانا مشکل ہے۔ بنجو نقطۂ خیال سے ان کے ستاروں میں کوئی مخالفت ہے، حالانکہ شادی وقت ان سب کی پوری مطابقت کرلی گئی تھی۔ کوک ساستر کے حسا سے اس اَن بَن کا کوئی اور بھید ہو سکتا ہے اور نفسیات والے کچھ اور سبب کھوج سکتے ہیں۔ ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ ان میں نہیں بنتی۔ کھنا دو ہیں، حُسن پرست ہیں، ملنسار ہیں۔ شکیل ہیں، خاصے پڑھے لکھے ہیں، اور کے خاص لوگوں میں ہیں۔ گوبندی حور نہ ہو مگر خوب صورت ضرور ہے۔ گندمی رنگ شرمیلی آنکھیں جو سامنے ایک بار اٹھ کر پھر جھک جاتی ہیں، رخساروں پر سرخی نہ ہو مگر چکناہٹ ہے، نازک بدن، اعضاء کا تناسب درست، گول گول بازو، چہرہ پر ایک طرح کی بدمزگی جس میں کچھ غرور کی جھلک بھی ہے، گویا دنیا کے کاروبار کو ہیچ سمجھتی ہے۔ کھنا کے پاس عیش کے ظاہری سامانوں کی کمی نہیں۔ اعلیٰ درجے کا بنگلہ ہے، اعلیٰ درجے کا فرنیچر، اعلیٰ درجے کا موٹر اور بے انتہا دولت، مگر گوبندی کی نظر میں گویا ان اشیاء کی کوئی وقعت نہیں۔ اس کھارے سمندر میں وہ پیاسی پڑی رہتی ہے۔ بچوں کی پرورش و پرداخت اور گرستی کے چھوٹے موٹے کام ہی اس کے لئے سب کچھ ہیں۔ وہ ان میں اتنی منہمک رہتی ہے کہ عیش و عشرت کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں جاتا۔ کشش کیا چیز ہے اور وہ کیسے پیدا ہوتی ہے اس پر اس نے کبھی غور نہیں کیا۔ وہ مرد کا کھلونا نہیں، نہ اس کی لطف آفرینی کی چیز ہے، پھر کیوں دل کش بننے کی کوشش کرے؟ اگر مرد اس کا اصلی حُسن

دیکھنے کے لئے آنکھیں نہیں رکھتا، حسینوں کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے تو یہ اس کی بدقسمتی ہے۔ وہ اسی محبت اور اسی لگن کے شوہر کی خدمت کئے جاتی ہے گویا نفرت اور رغبت کے جذبات کو مغلوب کر لیا ہو۔ اور یہ بے انتہا دولت تو جیسے اس کی روح کو کچلتی رہتی ہے، دباتی رہتی ہے۔ اس نمود و نمائش سے چھٹکارا پانے کے لئے اس کا جی ہمیشہ للچایا کرتا ہے۔ اپنی سادہ اور قدرتی زندگی میں وہ کتنا خوش رہ سکتی ہے۔ اس کا وہ ہمیشہ خواب دیکھتی رہتی ہے۔ تب کیوں مالتی اس کی راہ میں آکر حائل ہو جاتی؟ کیوں طوائفوں کے مجرے ہوتے کیوں یہ شک اور تصنع اور بے اطمینانی اس کی زندگی کے راستے میں کانٹا بنتے؟ بہت پہلے جب وہ بالکا ودیالیہ میں پڑھتی تھی۔ اسے شاعری کا روگ لگ گیا تھا جس میں درد و غم ہی زندگی کا ماحصل ہے۔ دولت اور عشرت تو صرف اس لئے ہیں کہ ان کی ہولی جلائی جائے، جو انسان کو لغویت اور پریشانی کی طرف لے جاتی ہیں۔ وہ اب بھی کبھی کبھی شعر کہتی تھی مگر سنائے کسے؟ اس کی نظم صرف دل کی لہر اور تخیل کی اڑان نہ تھی بلکہ اس کے ایک ایک لفظ میں اس کی زندگی کا درد اور اس کے آنسوؤں کی ٹھنڈی جلن بھری ہوتی تھی۔ کسی ایسی جگہ جا بسنے کی خواہش تھی جہاں وہ وہ ظاہرداریوں اور غیبتوں سے دور رہ کر اپنی پُرسکون کٹی میں قدرتی مسرت کا لطف اٹھائے۔ کھنا اس کے اشعار دیکھتے تو تمسخر اڑاتے اور کبھی کبھی پھاڑ کر پھینک بھی دیتے۔ اور دولت کی یہ دیوار روز بروز بلند ہوتی جاتی تھی اور دونوں کو ایک دوسرے سے دور اور جدا کرتی جاتی تھی کھنا اپنے گاہکوں کے ساتھ جتنا ہی میٹھا اور نرم تھا، گھر میں اتنا ہی تلخ اور سخت۔ اکثر غصے میں گوبندی کو بری بات کہہ بیٹھتا، خوش خلقی اس کے

لئے صرف دنیا کو ٹھگنے کا ایک ذریعہ تھی، انسانی سرشت نہیں۔ ایسے موقعوں پر گوبندی اپنے سونے کے کمرے میں جا بیٹھتی اور رات کی رات رویا کرتی اور کھنا دیوان خانے میں مجرے سنتا یا کلب میں جا کر شراب کی بوتلیں خالی کرتا۔ لیکن یہ سب کچھ ہونے پر بھی کھنا اس کے سب کچھ تھے۔ وہ پامال اور ذلیل ہو کر بھی کھنّا کی لونڈی تھی۔ ان سے لڑے گی، جلے گی، روئے گی، مگر رہے گی ان ہی کی۔ ان سے جداگانہ زندگی کا وہ کوئی خیال ہی نہ کر سکتی تھی۔

آج مسٹر کھنّا کسی بُرے کا منہ دیکھ کر اٹھے تھے۔ سویرے ہی اخبار کھولا تو ان کے کئی اسٹاکوں کا نرخ گھٹ گیا تھا جس میں انھیں کئی ہزار کا نقصان ہوتا تھا۔ شکرمل کے مزدوروں نے ہڑتال کر دی تھی اور فساد کرنے پر آمادہ تھے۔ نفع کی امید پر چاندی خریدی تھی مگر اس کا بھاؤ آج اور بھی زیادہ گر گیا تھا۔ رائے صاحب سے جو سودا ہو رہا تھا اور جس میں انھیں بڑے نفع کی اُمید تھی وہ کچھ دنوں کے لئے ٹلتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ پھر رات کو زیادہ پی جانے کے سبب اس وقت دردِ سر اور اعضا شکنی کا غلبہ تھا۔ ادھر شوفر نے موٹر کے انجن میں کچھ خرابی پیدا ہو جانے کی بات کہی تھی اور لاہور میں ان کے بینک پر ایک دیوانی مقدمہ دائر ہو جانے کی خبر بھی ملی تھی۔ بیٹھے ہوئے دل میں جھنجلا رہے تھے کہ اسی وقت گوبندی نے کہا: "بھیشم کا بخار آج بھی نہیں اترا، کسی ڈاکٹر کو بلا لو۔"

بھیشم ان کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا اور پیدائشی کمزور ہونے کے سبب اسے روز ہی ایک نہ ایک شکایت رہا کرتی تھی۔ آج کھانسی ہے تو کل بخار کبھی پیلی چل رہی ہے، کبھی ہرے پیلے دست آ رہے ہیں۔ دس مہینے کا ہو گیا تھا مگر لگتا تھا پانچ چھ مہینے کا ہی۔ کھنا نے سوچ لیا تھا کہ یہ لڑکا بچے گا نہیں، پس اس

کی طرف سے بے پروا رہتے تھے مگر گوبندی اسی وجہ سے اس کو اور سب بچوں سے زیادہ چاہتی تھی۔

کھنّا نے پدرانہ شفقت ظاہر کرتے ہوئے کہا: "بچوں کو دواؤں کا عادی بنا دینا ٹھیک نہیں اور تمھیں دوا دیتے رہنے کا مرض ہے۔ ذرا کچھ ہوا اور ڈاکٹر بلا لاؤ۔ ایک روز اور دیکھو، آج تیسرا ہی دن تو ہے، شاید آج خود بخود اتر جائے۔"

گوبندی نے اصرار کیا: "تین دن سے نہیں اترا۔ خانگی دوائیں کر کے ہار گئی۔"

کھنّا نے پوچھا: "اچھی بات ہے، بلائے دیتا ہوں۔ کسے بلاؤں؟"

"بلا لو ڈاکٹر ناگ کو۔"

"اچھی بات ہے ان ہی کو بلاتا ہوں، مگر یہ سمجھ لو کہ نام ہو جانے ہی سے کوئی اچھا ڈاکٹر نہیں ہو جاتا۔ ناگ فیس خواہ جتنی لے لیں مگر ان کی دوا سے کسی کو شفا پاتے نہیں دیکھا۔ وہ تو مریضوں کو جنت ہی بھیجنے کے لئے مشہور ہیں۔"

"تو جسے چاہو اُسے بلا لو۔ میں نے تو ناگ کو اس لئے کہا تھا کہ وہ کئی بار آ چکے ہیں۔"

"مس مالتی کو کیوں نہ بلا لوں؟ فیس بھی کم اور بچوں کا حال لیڈی ڈاکٹر جیسا سمجھے گی ویسا کوئی مرد ڈاکٹر نہیں سمجھ سکتا۔"

گوبندی نے جل کر کہا: "میں مس مالتی کو ڈاکٹر نہیں سمجھتی۔"

کھنّا نے تیز تیز دیکھتے ہوئے کہا: "تو وہ انگلستان گھاس کھودنے گئی تھیں اور آج ہزاروں آدمیوں کی جان بچا رہی ہیں یہ سب کچھ چیز نہیں

ہے ؟"

"ہوگا۔ مجھے اُن پر بھروسہ نہیں ہے۔ وہ مردوں کے دل کا علاج کریں۔ اور کسی کی دوا ان کے پاس نہیں ہے۔" بس ٹھن گئی۔ کھٹا گرج اٹھے۔ گوبندی برس پڑی۔ ان کے درمیان میں مالتی کا نام آجانا ہی گویا اعلان جنگ تھا۔

کھٹا نے سارے کاغذات زمین پر پھینک کر کہا۔ "تمھارے ساتھ زندگی تلخ ہوگئی۔"

گوبندی نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا: "تو مالتی سے بیاہ کر لو نا! ابھی کیا بگڑا ہے، اگر وہاں دال گلے؟"

"تم مجھے کیا سمجھتی ہو؟"

"یہی کہ مالتی تم جیسوں کو اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتی ہے، مالک بنا کر نہیں۔"

تمھاری نگاہ میں میں اتنا ذلیل ہوں!"

اور انھوں نے اس کے خلاف ثبوت دینا شروع کیا۔ مالتی جتنی اُن کی عزت کرتی ہے اتنی شاید ہی کسی کی کرتی ہو۔ رائے صاحب اور راجہ صاحب کو منہ تک نہیں لگاتی، مگر ان سے ایک دن بھی ملاقات نہ ہو تو شکایت کرتی ہے .....

گوبندی نے ان ثبوتوں کو ایک پھونک میں اڑا دیا: "اسی لئے کہ وہ تمھیں سب سے زیادہ آنکھوں کا اندھا سمجھتی ہے، دوسروں کو اتنی آسانی سے بیوقوف نہیں بنا سکتی۔"

کھٹا نے ڈینگ ماری: "چاہوں تو آج مالتی سے بیاہ کر سکتا ہوں آج، ابھی ....."

گوبندی کو بالکل یقین نہیں ہے۔ "تم سات جنم تک ناک رگڑو تو بھی وہ تم سے نہ کرے گی۔ تم اس کے ٹٹو ہو، گھاس کھلائے گی، کبھی کبھی تمہارا سہلائے گی، تمہارے پٹھوں پر ہاتھ پھیرے گی، مگر اسی لئے کہ تمہارے پر سواری کرے۔ تم جیسے ایک ہزار احمق اس کی جیب میں ہیں۔"

گوبندی آج بہت بڑھی جاتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ آج وہ ان سے نے کو تیار ہو کر آئی ہے۔ ڈاکٹر کے بلانے کا تو صرف حیلہ تھا۔ کھنا اپنی بلیت، اہلیت اور مردیت پر اتنا بڑا حملہ کیسے سہ سکتے تھے، بولے رے خیال میں میں، احمق اور نادان ہوں تو یہ ہزاروں کیوں میرے دروازے پر ناک رگڑتے ہیں؟ کون راجہ یا تعلقدار ہے جو مجھے سجدہ نہیں کرتا۔ سینکڑوں کو اونا کر چھوڑ دیا۔"

یہی تو مالتی کی خصوصیت ہے کہ جو اوروں کو سیدھے استرے سے مونڈتا ہے اسے وہ الٹے چھرے سے مونڈتی ہے۔"

"تم مالتی کی چاہے جتنی برائی کرو، تم اس کے پاؤں کی دھول بھی نہیں ہو۔"

میری نظر میں تو وہ بیواؤں سے گئی گذری ہے کیونکہ وہ پردے کی آڑ سے شکار کھیلتی ہے۔"

دونوں نے اپنے اپنے آتشیں تیر سر کئے۔ کھنا نے گوبندی کو کوئی دوسری سخت سے سخت بات کہی ہوتی تو اسے اتنی بری نہ لگتی، مگر مالتی سے اس کا یہ نفرت انگیز مقابلہ اس کی برداشت کے باہر تھا۔ گوبندی نے بھی کھنا کو خواہ جو کچھ کہا ہوتا وہ اتنے گرم نہ ہوتے لیکن مالتی کی یہ تحقیر وہ نہیں سہ سکتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے کمزور

مقامات سے واقف تھے۔ دونوں کے نشانے ٹھیک بیٹھے اور دونوں تڑپ اٹھے۔ کھنّا کی آنکھیں سُرخ ہوگئیں۔ گوبندی کا چہرہ سُرخ ہوگیا۔ کھنّا جو میں اُٹھے اور اس کے دونوں کان پکڑ کر زور سے مل دئے، اور پھر تین چار طمانچے بھی لگا دئے۔ گوبندی روتی ہوئی اندر چلی گئی۔

ذرا دیر میں ڈاکٹر ناگ آئے اور سول سرجن مسٹر ڈاڈ آئے اور وید راج نیلکنٹھ شاستری آئے۔ مگر گوبندی اپنے بچّے کو لئے کمرے میں رہی۔ کس نے کیا کہا، کیا تشخیص کی، اسے معلوم نہیں۔ جس مصیبت کا وہ خیال کر رہی تھی وہ آج اس پر آگئی۔ کھنّا نے گویا آج اس سے ناتا توڑ لیا جیسے اسے گھر سے نکال کر دروازے بند کرلئے۔ جو حسن کا بازار لگا کر بیٹھی ہے، جس کا سایہ بھی وہ اپنے اوپر نہیں پڑنے دینا چاہتی وہ .... وہ اس کو در پردہ حکومت کرے، یہ نہ ہوگا! کھنّا اس کے شوہر ہیں، ان کو اسے سمجھانے بجھانے کا حق ہے۔ ان کی مار بھی وہ سہ سکتی ہے، مگر مالتی کی حکومت! ناممکن! لیکن بچّے کا بخار جب تک اتر نہ جائے وہ ہل نہیں سکتی۔ خودداری کو بھی فرض کے سامنے سر جھکانا پڑے گا۔

دوسرے روز بچّے کا بخار اتر گیا تھا۔ گوبندی نے ایک ٹانگہ منگوا لیا اور گھر سے نکلی۔ جہاں اس کی اتنی بے عزّتی ہو وہاں وہ اب نہیں رہ سکتی۔ صدمہ اتنا سخت تھا کہ بچّوں کی محبت بھی دور ہو گئی تھی۔ ان کے متعلق اس کا جو فرض تھا اسے وہ پورا کر چکی ہے، باقی جو کچھ ہے وہ کھنّا کا فرض ہے۔ ہاں۔ گود کے بچّے کو وہ کسی طرح نہیں چھوڑ سکتی۔ وہ اس کی جان کے ساتھ ہے۔ اور وہ اس گھر سے صرف اپنی جان لے کر نکلے گی اور کوئی چیز